بحث ونظر

قرآن مجید کے انگریزی تراجم وتفاسیر

ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی

اسلام کا بنیادی ماخذ ہونے کے سبب روز اول سے قرآن مجید مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی انتہائی دلچسپی اور گہری توجہ کا مرکز رہا ہے۔ قرآنی مطالعات غیر مسلم علماء و فضلاء کے لئے ایک اہم علمی سرگرمی کا درجہ رکھتے ہیں جبکہ مسلمان اہل قلم اسے اپنے لیے بہترین سعادت تصور کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے اسی گہرے علمی شغف کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی تمام معروف زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے ہونے کے علاوہ قرآنیات پر زبردست علمی ذخیرہ تیار ہوچکا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

گذشتہ کئی صدیوں سے انگریزی زبان کو گویا بین الاقوامی زبان کا مقام حاصل ہے اس لئے انگریزی زبان میں قرآن مجید کے متعدد تراجم اور تفاسیر کا پایا جانا کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ انگریزی میں قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کی روایت کے بعض تاریخی اور تمدنی محرکات رہے ہیں: فتح اسپین اور صلیبی جنگوں کے زیر اثر مغرب اسلام سے متعارف ہوا لیکن اسلام کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے باعث ہر مفتوح قوم کی طرح مغرب نے بھی اسلام کے بارے میں ابتداء ہی سے معاندانہ اور منفی رویہ اختیار کرلیا۔ بغض وعناد اور تنفر سے عبارت مغرب کے اس رویئے کو نہ تو عقلیت پسندی بدل سکی اور نہ سائنسی اور تجربی مزاج بیسویں صدی کی نام نہاد علمی روشن خیالی اور معروضیت کے دعوی کے باوجود اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اسلام دشمنی کے اس رویّے کا جابجا ثبوت غیر مسلم اہل قلم کے متعدد انگریزی تراجم قرآن میں بھی ملتا ہے۔ قابل ذکر تراجم قرآن مندرجہ ذیل ہیں۔ الیگزنڈر راس (ALEXANDAR ROSS) سنہ ۱۶۴۹ء، جارج مراکی (GEORGE MARACCI) سنہ ۱۶۹۶ء، جارج سیل (GEORGE SALE) سنہ ۱۷۳۴ء، جے۔ ایم۔ راڈویل (J.M. RODWELL) سنہ ۱۸۶۱ء، ای۔ ایچ پالمر (E.H. PALMER) سنہ ۱۸۷۶ء، رچرڈ بیل (RICHARD BELL) سنہ ۱۹۳۷ء، اور آربیری (ARBERRY) سنہ ۱۹۵۳ء وغیرہ۔ ان میں بعض محض ترجمے ہیں اور بعض مفصل حواشی اور مقدمے کے ساتھ۔ بیشتر غیر مسلم مترجمین قرآن نے قرآن مجید کو توریت اور انجیل سے ماخوذ قرار دیا ہے اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے سے انکار

کیا ہے۔ اسی طرح ان مصنفین نے قرآن مجید کی ترتیب وتدوین کے بارے میں بھی شر انگیز خیالات پیش کیے ہیں۔ ان بے بنیاد اعتراضات کا مسکت جواب دیا جاسکتا ہے لیکن زیر نظر مضمون میں طوالت کے خوف سے اس پہلو سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف مسلمان اہل قلم کے انگریزی تراجم وتفاسیر کے ایک سرسری جائزے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اوائل بیسویں صدی میں مسلمان اہل قلم نے انگریزی ترجمۂ قرآن کی ضرورت کو خاص طور پر اور بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا کیونکہ مغربی تعلیمی اداروں سے فراغت یافتہ مسلمانوں کا بڑا طبقہ مغرب کے سحر میں گرفتار ہوتا جارہا تھا۔ اس کے ساتھ مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کی ایک ایسی نسل پروان چڑھ رہی تھی جس کے لیے انگریزی گویا مادری زبان تھی۔ غیر عرب مسلم ممالک میں عربی سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ناواقفیت بھی انگریزی ترجمۂ قرآن کا ایک اہم محرک تھی۔ البتہ اس ضمن میں اہم ترین مقصد انگریزی ترجمۂ قرآن کے ذریعہ اہل مغرب کو اسلام کی دعوت دینا اور مستشرقین کے اعتراضات کو رفع کرنا تھا۔

یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ برصغیر ہند وپاک میں اس روایت کی داغ بیل قادیانیوں کے ہاتھوں پڑی۔ جنھیں امت نے بالاتفاق دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں قادیان انجمن نے پہلے پارے کا انگریزی ترجمہ شائع کیا اور ۱۹۱۷ء میں مولوی محمد علی لاہوری کا مکمل انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن مجید احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے زیر اہتمام منظر عام پر آیا۔ یہ ترجمۂ قرآن قادیانی عقائد کا ترجمان ہونے کے باعث ایک ایسے مضمون کے دائرہ بحث سے خارج ہے جس کا مقصود مسلمان اہل قلم کے انگریزی تراجم وتفاسیر قرآن کا جائزہ لینا ہو۔ قادیانی عقائد کی آمیزش اور مضامین قرآن میں دانستہ تحریف سے قطع نظر اس ترجمہ قرآن کی انگریزی بھی حد درجہ ناقص ہے۔ زبان وبیان کی فاش غلطیوں سے پر ہونے کے سبب اس ترجمہ کو پڑھنا خاصا صبر آزما کام ہے۔

محمد مارما ڈیوک پکتھال ایک ممتاز مسلم مترجم قرآن ہوئے ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں نظام حیدرآباد کی مالی اعانت سے آپ کا ترجمۂ قرآن شائع ہوا۔ پکتھال اہل زبان نومسلم تھے۔ انگریزی زبان پر انھیں خداداد قدرت حاصل تھی۔ یہ ترجمۂ قرآن خاصا مقبول ہوا۔ لیکن یہ محض ترجمہ ہے۔ تشریحی حواشی خال خال ہی ہیں جس کے باعث غیر مسلم قارئین تو کجا خود مسلم قارئین بھی تشنگی محسوس کرتے ہیں ترجمہ بھی بڑی حد تک لفظی ہے اس لیے تشریحی حواشی کی کمی اور بھی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

اب تک تمام تراجم قرآن میں مقبول ترین ترجمہ عبداللہ یوسف علی کا ہے جو ۱۹۳۴ء میں

شائع ہوا۔ ہر چند کہ عبداللہ یوسف علی کی مادری زبان انگریزی نہیں ہے لیکن انگریزی زبان اور محاورے پر انھیں مادری زبان کی طرح دسترس حاصل ہے۔ ان کا شمار بلاشبہ ان چیدہ مسلم اہلِ قلم میں ہوتا ہے جنھیں انگریزی زبان و بیان پر غیر معمولی ملکہ ہے۔ اس ترجمۂ قرآن کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس کے کثیر التعداد ایڈیشنوں سے ہوتا ہے۔ سعودی حکومت نے اپنے سفارت خانوں کے ذریعے اس ترجمہ قرآن کے لاکھوں نسخے بغیر کسی ہدیہ کے تقسیم کیے ہیں۔ تبلیغ اور ثواب کے خیال سے دیگر اہل خیر حضرات بھی اس کے نسخے تقسیم کرتے رہے ہیں۔ تازہ ترین مثال سعودی عرب کے مشہور مالیاتی ادارے الراجحی کمپنی کی ہے جس نے ۱۹۸۳ء میں امریکہ سے اس ترجمۂ قرآن کا انتہائی نفیس و دیدہ زیب نسخہ شائع کیا ہے۔ البتہ یہ امر خاصا حیرت انگیز ہے کہ علمائے کرام نے عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ و تفسیر قرآن کو نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ موصوف کے بعض تشریحی حاشئے جمہور کے عقائد سے براہ راست متصادم ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا ذکر آیا ہے اس کی تشریح و تعبیر عبداللہ یوسف علی نے بطورِ استعارہ اور تمثیل کی ہے۔ اس ضمن میں موصوف نے اس حد تک اہتمام و التزام کیا ہے کہ کسی مقام پر بھی یہ نکتہ عیاں نہیں ہونے پاتا کہ جنت و دوزخ کا واقعتہً کوئی وجود بھی ہے۔ آخرت اور عذاب و ثواب کے موضوع پر ان کے ترجمۂ قرآن میں ایک مفصل ضمیمہ ہے جس سے ان کی فکر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمیمہ کا شانِ نزول ہی عقائدِ اسلامی کے بارے میں ان کے معذرت خواہانہ اور مدافعانہ (APOLOGETIC) انداز کا آئینہ دار ہے:

> "اسلام کے بعض جاہل معترض یہ گمان کرتے ہیں کہ اسلام نے شہوانیت سے عبارت جنت کا تصور پیش کیا ہے اور اس خیال کی تائید میں وہ بعض ہمارے ہی نفس پرست مصنفین کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔
>
> ہمارا (یعنی مسلمانوں کا) عقیدۂ آخرت محض جزا و سزا کا نام نہیں۔ محض انعام کی لالچ میں نیک اعمال کرنا اور عذاب سے خائف ہو کر گناہوں سے اجتناب کرنے کی تعلیم انسان کے روحانی ارتقاء کے صرف ابتدائی مرحلے ہی میں کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔ اس مرحلے میں انسان محرکات عالیہ کے ادراک کا اہل نہیں ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے نورِ اسلام انسانی روح کی تنویر کرتا جاتا ہے، خیر فی نفسہٖ انعام اور شر فی نفسہٖ عذاب کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے"[۳۵]

مذکورہ بالا اقتباس مصنف کے ذہنی اور فکری افلاس اور حقائق سے دانستہ اعراض کی چغلی کھاتا ہے۔ موصوف نے آخرت سے متعلق دیگر قرآنی تصورات مثلاً یوم قیامت جنت کے باغ، حور، انعام جنت، نار جہنم، عرش الٰہی اور ملائکہ وغیرہ کی تشریح وتعبیر بھی استعارے اور تشبیہات کے حوالے سے کی ہے۔

قیامت کے دن کائنات کے تہ وبالا ہونے کا مفصل ذکر قرآن مجید میں جابجا ملتا ہے۔ مثلاً سورہ ۷۷: آیات ۸-۱۱، سورہ ۸۲: آیات ۱-۴ اور سورۃ ۸۴: آیات ۱-۳۔ ان قرآنی آیات میں ستاروں کے ماند پڑجانے، آسمان کے پھٹنے، پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے، سمندروں کے شق ہونے، قبروں کے کھلنے اور زمین کے پھیلائے جانے وغیرہ کا ذکر ہے۔ ان قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے عبداللہ یوسف علی نے ان مظاہر اور کیفیات کو محض "تمثیل" اور "علائم" سے تعبیر کیا ہے[۳۰]

انعامات جنت کے ذیل میں قرآن مجید نے ازواج مطہرۃ کا ذکر کیا ہے:

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ — ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی

وَّهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲: ۲۵) — اور وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

چونکہ عبداللہ یوسف علی جنت کو مسرت وبہجت کی محض ایک علامت سمجھتے ہیں اس لئے وہ جنت میں عطا ہونے والی ازواج مطہرۃ کے جسمانی وجود اور علائق کے بھی قائل نہیں[۳۱]۔ اس کے قطعاً برخلاف وہ مفسرین جنھوں نے جمہور کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے انھوں نے اس مسئلہ میں کسی بھی معذرت خواہانہ تاویل کا سہارا نہیں لیا ہے۔ یہاں ہم صرف مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا حوالہ دیں گے۔ ازواج مطہرۃ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا دریابادی رقم طراز ہیں:

"بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انھوں نے اس معنی ہی سے انکار کردیا اور ازواج مطہرۃ کی تفسیر عجیب توڑمروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت وراحت کے موقع پر بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا بڑے ہی شرم وندامت کی بات ہے۔ جنت کے نفس وجود ہی سے اگر کسی کو انکار ہے تو بات ہی اور ہے اور ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا لیکن اگر جنت کا اقرار ہے تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں، نہ عقل کے اعتبار سے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی وروحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا — یا پھر یہ ہے کہ

بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت اور مسیحؑ کی لائی ہوئی نہیں، پولوس کی پھیلائی ہوئی مسیحیت سے وابستہ ہے۔ زوجیت جب اللہ کا ایک اعلیٰ انعام ہے تو آخر جنت میں کس جرم میں اس سے محرومی ہو جائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی، مادی، حسی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا، یا ان سے شرمانا تمام تر جاہلی مذہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسی اور معنوی، مادی اور روحانی، جسمانی اور عقلی ہر قسم کی نعمت کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

مولانا مودودیؒ کا تفسیری حاشیہ بھی 'ازواج مطہرۃ' کے جسمانی وجود کو نمایاں کرتا ہے:

"عربی متن میں ازواج کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں "جوڑے" اور یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ شوہر کے لئے بیوی زوج ہے اور بیوی کے لئے شوہر زوج۔ مگر وہاں یہ ازواج پاکیزگی کی صفت کے ساتھ ہوں گے۔ اگر دنیا میں کوئی مرد نیک ہے اور اس کی بیوی نیک نہیں ہے، تو آخرت میں ان کا رشتہ کٹ جائے گا اور اس نیک مرد کو کوئی دوسری نیک بیوی دے دی جائے گی۔ اگر یہاں کوئی عورت نیک ہے اور اس کا شوہر بد، تو وہاں اس برے شوہر کی صحبت سے گلو خلاصی پا جائے گی اور کوئی نیک مرد اس کا شریک زندگی بنا دیا جائے گا۔"[۵۳]

جنت کے باغوں کا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تذکرہ ہے مثلاً سورہ ۹: آیت ۱۰۰، سورہ ۳۶: آیت ۵۵، سورۃ ۴۷: آیت ۱۵، سورۃ ۵۱: آیت ۱۵، اور سورۃ ۵۴: آیت ۵۴ وغیرہ۔ لیکن عبد اللہ یوسف علی کے خیال میں اس تذکرے کو محض علامت نگاری پر محمول کرنا چاہیے[۵۴]

اسی طرح قرآن مجید نے اصحاب جنت کو حاصل ہونے والے انعام و اکرام اور ان کے آرام و آسائش کا انتہائی پر کشش نقشہ پیش کیا ہے مثلاً سورۃ ۴۴: آیات ۵۱ - ۵۵، سورۃ ۳۶: آیات ۴۲ و ۴۵ - ۴۶، سورۃ ۳۸: آیت ۵۱، سورۃ ۴۲: آیت ۴۷، سورہ ۵۲: آیت ۲۲، سورہ ۶۹: آیات ۲۲ - ۲۴ اور سورۃ ۷۸: آیات ۳۱ - ۳۲ وغیرہ۔ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے عبد اللہ یوسف علی نے انعام و اکرام کی قرآنی تفصیلات کو روحانی مسرت کے لیے تمثیل نگاری، مجازی طرز بیان، استعارہ گری اور علامت نگاری قرار دیا ہے[۵۵] ان کے بقول۔

ان استعارات سے یہ مفہوم نہیں اخذ کرنا چاہئے کہ جنت میں کھانے، پینے، پہننے یا شادی کرنے یا اس قسم کی کوئی بھی مادی شے ہوگی۔[۸] عبداللہ یوسف علی حوروں کو بھی صرف پاکیزگی، حسن، معصومیت، وقار اور دل سوزی کی علامت قرار دیتے ہوئے ان کے مادی اور جسمانی وجود سے انکار کرتے ہیں۔[۹] حالانکہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی حوروں کا ذکر آیا ہے مثلاً سورۃ ۵۵: آیت ۵۶، سورہ: ۵۶، آیت ۲۲، اور سورۃ ۷۸: آیت ۳۳ وغیرہ اس سے عبداللہ یوسف علی کی مذکورہ بالا رائے کی کسی طرح تصدیق نہیں ہوتی۔

آبِ کافور کے آمیزے سے تیار شراب، چاندی کے برتن، شیشے کے ساغر، شراب کے جام، باغ اور انگور وغیرہ کا بھی تذکرہ انعام جنت کے ذیل میں قرآن مجید میں ان مقامات پر آیا ہے: سورۃ ۷۶: آیات ۵، ۱۵-۱۶ اور سورۃ ۷۸: آیات ۳۲ و ۳۴ لیکن عبداللہ یوسف علی کے خیال میں یہ تذکرہ تمام تر علامتی اور استعاراتی ہے۔[۱۰]

عبداللہ یوسف علی کے مطابق ترہیب سے عبارت قرآنی آیات سے مراد حسی یا جسمانی سزا نہیں بلکہ روحانی تعذیب ہے۔[۱۱] سورۃ اعراف (آیت ۳۸) میں مذکور ہے کہ منکرین حق کو دہرا عذاب دیا جائے گا لیکن موصوف کی رائے میں دہرے یا دگنے کا لفظ کمیت کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ مجازاً استعمال ہوا ہے۔[۱۲]

انعامِ جنت کی مانند عذاب جہنم سے متعلق قرآنی تفصیلات کا مادی پہلو بالکل واضح ہے کہ عذاب کی نوعیت اور اس سے مرتب ہونے والے اثرات کو قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن عبداللہ یوسف علی کے نقطۂ نظر کی رو سے یہ تمام قرآنی تفصیلات تمثیل، استعارہ اور تشبیہ ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں منکرینِ حق کو عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے مثلاً سورۃ ۶۹: آیات ۳۰-۳۲، سورہ ۹: آیت ۱۰، سورہ ۱۰: آیت ۴، سورۃ ۱۴: آیات ۴۹-۵۰ اور سورۃ ۴۷: آیت ۱۷ وغیرہ عبداللہ یوسف علی نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ان سزاؤں کو "روحانی سزا"[۱۳] اور سارے تذکرے کو علامتی اور استعاراتی پیرایۂ بیان قرار دیا ہے۔[۱۴] ان کے بقول نارِ جہنم سزا کی ایک علامت محض ہے۔[۱۵] اور جہنم کے دہکائے جانے (سورہ ۸۱: آیت ۱۲) سے مراد ہے۔

اندرونی آگ ـــــ شدید روحانی کرب کا احساس جو کہ بھیانک ترین آگ

سے بھی بدتر ہوتا ہے۔[۱۶]

عرش (سورہ ۷: آیت ۵۴، سورۃ ۴۰: آیت ۷ اور سورۃ ۶۹: آیت ۱۷) اور کرسی (سورہ

۲: آیت ۲۵۵) عبداللہ یوسف علی کی رائے میں کوئی مادی وجود نہیں رکھتے بلکہ قوت و اقتدار کی علامت کے طور پر قرآن مجید میں مستعمل ہوئے ہیں[۱۷]

عبداللہ یوسف علی کی تفسیر قرآن کا ایک اور قابل گرفت پہلو ان کا یہ نظریہ ہے کہ ابلیس درحقیقت ایک فرشتہ تھا[۱۸] جبکہ درج ذیل قرآنی بیان کی رو سے ابلیس کا جن ہونا بالکل واضح ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا	یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ	کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ	نے نہ کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا اس لیے
رَبِّهٖ (سورہ ۱۸: آیت ۴۹)	اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نکل گیا۔

عبداللہ یوسف علی کو اسی طرح ہاروت و ماروت کا فرشتہ ہونا قابل قبول نہیں۔ قرآن مجید میں واضح طور پر ہاروت ماروت کے سلسلے میں مذکور ہے:

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ	وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ	دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر نازل
(سورہ ۲: آیت ۱۰۲)	کی گئی تھی۔

ہاروت و ماروت سے متعلق اپنے تشریحی حاشیے میں عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں:

"ہاروت و ماروت کے لیے "فرشتے" کا لفظ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ "فرشتے" سے مراد علم و حکمت اور قوت کے حامل نیک افراد ہیں[۱۹]۔

اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعمال و افعال کی نگرانی کرتا رہتا ہے اس ضمن میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ	ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے
نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ	دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ	جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ گردن سے بھی
حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○	زیادہ اس سے قریب ہیں (اور ہمارے
اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ	اس براہ راست علم کے علاوہ)
وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○	دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر
(سورہ ۵۰: آیات ۱۶-۱۷)	چیز ثبت کر رہے ہیں۔

یہ واضح قرآنی بیان عبداللہ یوسف علی کے خیال میں تمام تر مجازی ہے[۲۰]

سورہ جن کی ابتدا میں بعض جنوں کے قرآن مجید سننے اور اس سے متاثر ہونے کا حال بالتفصیل بیان کیا گیا ہے:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ	اے نبی کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے
مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا	کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سنا
قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ	پھر جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: ہم نے
اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ	ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست
نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝	کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے ہم اس پر
(سورہ ۷۲: آیات ۱ تا ۲)	ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم ہرگز اپنے رب
	کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔"

ان آیات کی تفسیر میں عبداللہ یوسف علی نے جنوں کے اس گروہ کی یہ تشریح کی ہے:

(یہاں مراد) ایسے اشخاص ہیں جو عرب میں نووارد تھے اور چھپ چھپ کر قرآن مجید سننے کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔[۲۱]

عبداللہ یوسف علی کے بعض حواشی کے مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے یہ نظریات مدافعانہ طرز فکر کے آئینہ دار ہونے کے علاوہ گمراہ کن بھی ہیں اور علماء کو ایسا فوری قدم اٹھانا چاہیے کہ اس مقبول ترین انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن میں در آنے والے یہ تسامحات دور ہوں۔

مسلم انگریزی مترجمین و مفسرین قرآن میں دوسرا اہم نام مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲ء — ۱۹۷۷ء) کا ہے۔ مولانا دریابادی درحقیقت ایسے پہلے مفسر قرآن ہیں جن کا انگریزی ترجمہ و تفسیر جمہور امت کے عقائد و افکار کا آئینہ دار ہے انگریزی زبان کے دیگر مسلمان مفسرین کی طرح آپ کے ہاں مدافعانہ یا معذرت خواہانہ انداز فکر نہیں پایا جاتا۔

مولانا دریابادی کا ترجمہ قرآن ۱۹۴۱ء ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر مکمل صورت میں یہ ترجمہ ۱۹۶۸ء میں تاج کمپنی، کراچی کے زیر اہتمام شائع ہو سکا۔ حال ہی میں ادارۂ تحقیقات و نشریات اسلامی، لکھنؤ نے نظر ثانی شدہ ترجمہ و تفسیر کو زیور طبع سے آراستہ کیا ہے۔ مولانا دریابادی نے "تفسیر ماجدی" کے عنوان سے اردو میں بھی تفسیر قرآن تحریر کی ہے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ انگریزی اور اردو تفاسیر ایک دوسرے کا چربہ نہیں بلکہ الگ الگ دو مستقل تصانیف

کا درجہ رکھتی ہیں۔ انگریزی تفسیر کے اصل مخاطب اہل مغرب اور مغربی تہذیب وتمدن سے متاثر مسلمان ہیں۔ مولانا دریابادی کی علوم جدیدہ بالخصوص فلسفے پر گہری اور براہ راست نظر تھی۔ وہ الحاد وتشکیک کے تجربات سے گزر چکے تھے۔ اس لئے ان کی شخصیت اِس انداز کی تفسیر قرآن کے لئے بہت ہی موزوں کہی جاسکتی ہے۔ ممتاز نومسلم مصنفہ مریم جمیلہ نے اپنے ایک مضمون میں اپنے قبول اسلام میں معاون عوامل کا ذکر کرتے ہوتے مولانا دریابادی کی تفسیر کے اس امتیازی وصف کی تصدیق اس طرح کی ہے:

"میرا خام اور ناپختہ ذہن قرآن مجید کو بائبل کی محض ایک مسخ شدہ شکل تصور کرتا تھا۔ میں نے مولانا دریابادی کی تفسیر کو سب سے بہتر پایا بالخصوص اس کے وہ حواشی جن کا موضوع مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ہے۔ میں نے ان سے خاصا استفادہ کیا ہے"[۲۲]۔

علوم جدیدہ بالخصوص عمرانیات، نفسیات، تاریخ مذاہب وتمدن، اثریات، فلسفہ، عربی زبان وادب اور قرآن کے اعجاز اور بلاغت پر عبور کے باعث مولانا دریابادی کے ہاں بعض ایسے قرآنی نکات کی ایمان افروز اور روح پرور تعبیر وتشریح ملتی ہے جسے دیگر انگریزی مفسرین کرام نظرانداز کر گئے ہیں۔ اس ضمن میں چند مثالیں پیش ہیں:۔

(۱) قرآن کریم میں جابجا بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کی فضیلت بھی مذکور ہے (مثلاً سورہ بقرہ آیت ۴۷)۔ اس مقام پر یہ سوال قدرۃً ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ

"اس نسل کی افضلیت سارے عالم پر کس معنی میں ارشاد ہو رہی ہے۔ اگر کہیے کہ دولت یا حکومت یا تجارت یا کثرتِ آبادی تو اول تو یہ انعامات خود اس درجے کے نہیں کہ ان کا ذکر اس شان واہتمام سے کیا جائے اور پھر یہ نعمتیں تو بہت سی قوموں کو اپنے اپنے وقت میں نصیب رہ چکی ہیں۔ پھر آخر قوم اسرائیل کی وہ مخصوص فضیلت کیا تھی؟ تاریخ کی زبان سے جواب ایک ہی ملتا ہے کہ وہ دولت یا اللہ کی اعلیٰ ترین نعمت مسلک توحید کی تھی۔ یہ نسل اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار رہی اور انبیاء ورسل، جہاں تک کسی نسل کا تعلق ہے، نسل بنی اسرائیل ہی میں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ انبیاء ورسل اور ان کی تعلیمات کا چرچا صرف بنی اسرائیل میں تھا۔

قوم بنی اسرائیل اور امت موسوی دو بالکل اور قطعاً علیحدہ چیزیں ہیں اس لئے
آیت کی تفسیر میں امت موسوی اور امت محمدی کے تقابل وتفاضل کا سوال ہی
سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ امت محمدی کی فضیلت بہ لحاظ دین وعقیدہ ہے نہ
کہ کسی نسلی یا قومی اعتبار سے اور آیت میں ذکر ایک خاص نسل کی افضلیت کا
ہے۔ یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت دنیائے تہذیب طرح
طرح کی مشرکانہ وہم پرستیوں میں مبتلا تھی، موحد اعظم ابراہیم علیہ السلام ہی کی
نسل کی ایک شاخ توحید کا علم بلند کئے ہوئے تھی۔[۴۳]

(۲) مولانا دریابادی نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن میں عیسائیوں کے لیے عام طور سے مستعل اصطلاح CHRISTIANS کی نہیں بلکہ NAZARENES اختیار کی ہے اور اس کے حق میں دلیل یہ پیش کی ہے :۔

"خوب خیال کر لیا جائے قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں نصاریٰ کا کر رہا ہے
اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ حکمت سے پُر ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو ایمان اناجیل
اربعہ پر رکھتے ہیں، مسیحؑ کو خدا کا نبی نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں، آخرت میں نجات
دینے والا خدا کو نہیں، مسیح ابن اللہ کو یقین کرتے ہیں۔ اس کھلے ہوئے شرک
کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس مقام پر مقصود نہیں، اسی لیے نام بھی جو مشہور اور چلا ہوا
تھا، اسے ترک کر کے نصاریٰ لایا گیا۔ نصاریٰ (NAZARENES) حضرت
مسیحؑ کے سچے پیرو، توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف
انجیل متی کو مانتے تھے۔ لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت
حلولیت اور تثلیث ہی قرار پا گئی تو قدرۃً نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا
اور نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت وتکریم کے تحقیر کے موقع اور ذم
کے محل میں استعمال ہونے لگے۔ موجودہ مسیحیت سر تا سر پولوسیت ہے اور تمام تر
پولوس (PAUL) طرسوسی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح کے کچھ ہی
روز بعد شروع ہو گئی تھی اور نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔"[۴۴]

(۳) حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ذیل میں قرآن کریم میں مذکور ہے:

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے قوم کے لئے پانی کی دعا

مانگی سو ہم نے کہا (اے موسیٰ) اپنا عصا فلاں پتھر پر مارو تو اس میں سے بارہ
چشمے پھوٹ نکلے" (سورہ بقرہ: آیت ۶۰)

مذکورہ بالا آیت قرآنی پر اپنے تشریحی حاشیے میں مولانا دریابادی نے غیر مسلم مغربی ماہرین اثریات اور مورخین ہی کے اقتباسات سے قرآنی بیان کی تاریخیت کو اجاگر کیا ہے[۲۵] اور یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کے معاندین اور منکرین تک بھی قرآن کریم کی تصدیق کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں:

(۴) حضرت سلیمان کے بارے میں ارشاد قرآنی ہے: "اور سلیمان نے تو کبھی کفر نہیں کیا" (سورہ بقرہ: آیت ۱۰۲) - اس فقرے میں مولانا دریابادی کا درج ذیل تفسیری حاشیہ ان کی قرآن فہمی اور تاریخ مذاہب عالم پر ان کی گہری نظر کا آئینہ دار ہے:

"آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرما دی۔

جب سلیمانؑ پیغمبر برحق تھے تو یہ کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبہ کفر و شبۂ کفر سے بمراحل دور تھے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔

سلیمانؑ کو پیغمبر ماننے والی دو قومیں یہود و نصاریٰ ایک طرف تو ان کی عظمت و پیمبری کی قائل ہیں اور دوسری طرف ان کے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں یہاں تک کہ کفر و شرک بھی (مثلاً سلاطین ۱۱: ۴، ۶، ۹ اور ۱۰) قرآن نے آکر اعلان کیا کہ سلیمانؑ کو معاذ اللہ کافر کہتے ہو وہ تو کفر کے قریب تک نہیں گئے تھے۔

اور اب قدرتِ حق کا اعجاز دیکھئے کہ اب جو محققانہ و فاضلانہ کتب بائبل ہی کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی ہیں وہ تائید اور تصدیق، بائبل کی الزام دہی کی نہیں، قرآن کے جواب صفائی کی کر رہی ہیں (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، ص ۹۵۲ طبع چہار دہم اور انسائیکلو پیڈیا ببلیکا کالم ۴۶۸۹۹)[۲۶]

(۵) ہاروت و ماروت کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے اور عوام

کو نجات کی تعلیم دیتے تھے۔ کسی فرشتے کا جادو سکھانا بظاہر ایک ناقابل یقین امر محسوس ہوتا ہے اسی لیے عبداللہ یوسف علی نے ہاروت اور ماروت کو فرشتہ ماننے سے بھی انکار کیا ہے لیکن مولانا دریابادی نے اپنے تشریحی حواشی میں اوّل تو ماہرین اثریات اور مورخین کے حوالے سے اس تاریخی حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ اس دور میں فلسطین اور بابل میں سحر و کہانت کا زبردست چلن تھا اور پھر مصلحت قرآنی کی اس طرح وضاحت کی ہے:

"فرشتوں کے اوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت کے ذرا بھی منافی نہیں، خصوصاً جبکہ اس فن کے الہام کیے جانے سے مقصود ہی تمام تر اصلاح خلق تھا یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا مجسٹریٹوں، پولیس کے افسروں کو جرائم سے علمی واقفیت حاصل کرتے کس نے نہیں دیکھا ہے۔ ظاہر ہے یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ خود جرم کریں بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی علمی واقفیت کو مجرموں کے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں"[۲۷]

(۶) سورۃ بقرہ: آیت ۶۱ میں بنی اسرائیل کی فرد جرم میں انبیاء کو ناحق قتل کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ 'وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ' کی مانند قتل ناحق کی تصریح بظاہر حشو و زائد معلوم ہوتی ہے۔ اس فقرے میں پنہاں قرآن کریم کے اعجاز بلاغت کو مولانا دریابادی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں نہایت عمدگی کے ساتھ آشکار کیا ہے:

"نبی کا قتل جب بھی ہوگا، ناحق ہی ہوگا۔ نبی کے قتل جائز کی کوئی صورت ہی نہیں۔ پھر قرآن جس میں ایک لفظ بھی بے کار یا بطور حشو نہیں، اسے کیوں لایا؟ قرآن کا مقصود اس اضافے سے یہ ہے کہ خود ان قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناحق و ناجائز تھے یعنی خلاف عدل تو خیر ہوتے ہی قانون وقت کے لحاظ سے بھی خلاف قانون اور بے ضابطہ تھے"[۲۸]

اس کے علاوہ مولانا دریابادی بائبل کے متعدد اقتباسات (یرمیاہ ۲: ۲۹ - ۳۰، ۲ تواریخ ۳۶: ۱۶، نحمیاہ ۹: ۲۶، متی ۲۳: ۳۱-۳۷ اور لوقا ۱۳: ۳۴) کی مدد سے یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ توہین انبیاء اور پیمبر کشی کا الزام صرف قرآن مجید ہی نے یہود پر عائد نہیں کیا ہے بلکہ اس کا ذکر خود ان کے اپنے نوشتوں میں بھی جا بجا ملتا ہے۔

(۷) قرآن حکیم میں یہ مضمون بکثرت وارد ہوا ہے کہ مشرق و مغرب دونوں ہی اللہ کے ہیں اور

اصل عبادت مشرق یا مغرب کی جانب منہ کرنا نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے (البقرہ: آیات ۱۱۵، ۱۷۷ وغیرہ)۔ بالعموم مفسرین کرام نے ان آیات کے ظاہری معنی ہی پر اکتفا کیا ہے لیکن تاریخ مذاہب عالم کی تفصیلات وجزئیات سے واقف ہونے کے باعث مولانا دریابادی نے ان آیات کی تعبیر وتشریح کے ذیل میں ایک بالکل ہی نیا اور اہم نکتہ پیش کیا ہے جو قرآن کریم کے اعجاز اور حقانیت کو مزید روشن کرتا ہے۔

"مذاہب جاہلی کی تاریخ انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی مشرک قوموں میں یہ رہی ہے کہ خدا چونکہ متمکن ہے اور متجسم ہے اس لیے لازمی ہے کہ اس کی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو اور اسی تلبس کی بنا پر خود وہ سمت یا جہت مقدس ہے۔ مصری، ہندی، رومی تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کر کے اسی جہت کو مقدس مانا ہے۔ مشرکوں ہی کے اثر سے سمت پرستی کا یہ شرک اہل کتاب میں سرایت کر گیا اور مسیحی مذہب چونکہ عقائد وعبادات دونوں میں اپنے وقت کے رائج وشائع رومی مذہب ہی کا مثنیٰ یا پرتو ہے اس لیے وہ تو کھلم کھلا مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا۔ یہود بھی تمام تر محفوظ نہ رہ سکے بلکہ ان کے بعض فرقے تو پوری طرح اس صف میں آ گئے۔ چنانچہ یہ دونوں سمتیں خوب پوجتی رہیں۔ مشرق زیادہ اور مغرب اس سے کچھ کم۔ دنیا کی دنیا اس سمت پرستی کے شرک، اس مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی کہ توحید نے ساری دنیا کے عقائد کو چیلنج کر کے، اس مشرکانہ عقیدے پر ضرب لگا کر ایک عالم کو چونکا دیا۔"[۱۲۹]

اسلام اور مذاہب عالم بالخصوص یہودیت اور عیسائیت کا تقابلی مطالعہ اور موازنہ مولانا دریابادی کی تفسیر قرآن کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ اس موضوع پر تقریباً ڈھائی تین سو حواشی ملتے ہیں جن کا مقصد رائج الوقت بائبل کی تحریفات اور تسامحات کو دور کرنا اور ارشادات قرآنی کی حقانیت اور برتری کو ثابت کرنا ہے۔ اسی طرح جدید فلسفے اور نفسیات میں درک رکھنے کے باعث مولانا دریابادی کے تفسیری حواشی بھی اہل مغرب اور مغرب زدہ مسلمانوں کے لیے خاصے کی چیز ہیں۔ اس نکتے کی وضاحت کے لیے ایک دو مثالیں درج ہیں:

تخلیق انسان کے ضمن میں ارشاد قرآنی ہے کہ "جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں، وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔" (سورہ بقرہ: آیت ۳۰) اپنے تشریحی حاشیے میں مولانا دریابادی نے جدید نفسیات کے ان مطالعات نے تحقیقات کا ذکر کیا ہے جن کی رو سے سرشت انسانی میں خونریزی اور قتل و غارت گری کے عناصر کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔

تعدد ازدواج کے ذیل میں بھی مولانا دریابادی نے ماہرین حیاتیات، عمرانیات اور نفسیات کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں جو تعدد ازدواج کے عین فطری اور ناگزیر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس تصنیف کے بعض تفسیری حواشی نظر ثانی اور اصلاح کے طالب ہیں کہ ان میں مذکور تحقیقات اور معلومات پرانی اور متروک ہو چکی ہیں۔

بہرکیف قدیم و جدید علوم پر گہری نظر اور اسی کے ساتھ اسلامی عقائد پر غیر متزلزل ایمان و یقین کی وجہ سے مولانا دریابادی کا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ یہ امر حیرت انگیز بھی ہے اور افسوسناک بھی کہ اس وقیع ترجمہ و تفسیر کو انگریزی داں حلقوں میں اب تک وہ مقام نہیں مل سکا جس کی یہ بجا طور پر مستحق ہے۔

حوالے

۱؎ عبداللہ یوسف علی THE HOLY QURAN : TEXT, TRANSLATION & COMMENTARY (الراجی کمپنی، میری لینڈ، ۱۹۸۳ء) ص ص ۱۳۶۴ — ۱۳۶۵

۲؎ ایضاً ص ۱۳۶۴، حاشیہ نمبر ۵۸۶۷ اور ص ۱۷۰۹، حاشیہ نمبر ۶۰۲۱ ۳؎ ایضاً ص ۲۲، حاشیہ ۴۲

۴؎ مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، (صدق جدید بک ایجنسی، لکھنؤ ۱۹۶۷ء) جلد اول ص ۵۴، ۵۵

۵؎ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، (مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۲ء) جلد اول ص ۵۸

۶؎ عبداللہ یوسف علی، ص ۴۷۱، حاشیہ ۱۳۴۹، ص ۹۲۸، حاشیہ ۳۰۶۵ ص ۱۱۸۲، حاشیہ ۴۰۰۱، ص ۱۳۸۱، حاشیہ ۴۸۳۳، ص ۱۴۲۲، حاشیہ ۴۹۹۸ ص ۱۴۶۳، حاشیہ ۵۱۶۸

۷؎ ایضاً ص ۸۰۷، حاشیہ ۲۵۱۳، ص ۱۳۳۹، حاشیہ ۲۵۱۳، ص ۱۱۹۶، حاشیہ ۴۰۶۲

صہ ۱۲۲۸ ، حاشیہ ۴۲۰۸ ، صہ ۱۴۲۶ حاشیہ ۵۰۵۶ ، صہ ۱۵۹۹ حاشیہ ۵۶۵۴
صہ ۱۶۷۵ حاشیہ ۵۹۰۵ ، صہ ۱۳۵۲ حاشیہ ۴۷۲۸ ،

۸ـ ایضاً صہ ۱۳۵۲ ، حاشیہ ۴۷۲۸ ۔

۹ـ ایضاً صہ ۱۲۸۰ ، حاشیہ ۵۲۱۰ ، صہ ۱۲۸۶ حاشیہ ۵۲۳۳ ، صہ ۱۶۷۶ حاشیہ ۵۸۳۵

۱۰ـ ایضاً صہ ۱۶۵۶ حاشیہ ۵۸۳۵ ، صہ ۱۶۵۸ حاشیہ ۵۸۴۷ ، صہ ۱۶۵۸ حاشیہ ۵۸۴۹-۵۸۵۱
صہ ۶-۱۶۷۵ حاشیہ ۵۹۰۵ اور ۵۹۰۸

۱۱ـ صہ ۲۱۰ حاشیہ ۶۱۲ ۱۲ـ صہ ۳۵۰ حاشیہ ۱۰۱۹

۱۳ـ ایضاً صہ ۱۶۰۱ حاشیہ ۵۶۶۱ ، صہ ۱۷۱۴ حاشیہ ۱۳۵۱ ، صہ ۱۶۲۲ حاشیہ ۵۷۸۸

۱۴ـ ایضاً صہ ۴۸۴ ، حاشیہ ۱۳۹۰ ۔ صہ ۶۲۳ ، حاشیہ ۱۹۲۶ — ۱۹۲۸

۱۵ـ ایضاً صہ ۱۷۴ حاشیہ ۴۹۹ ۔ ۱۶ـ ایضاً صہ ۱۶۹۵ ، حاشیہ ۵۹۸۰

۱۷ـ ایضاً صہ ۱۴۳ حاشیہ ۲۹۸ ۔ صہ ۳۵۵ ، حاشیہ ۱۰۲۲ ۔ صہ ۱۲۶۳ ، حاشیہ ۴۳۶۵
صہ ۱۵۹۹ ، حاشیہ ۵۶۵۱ ۱۸ـ ایضاً صہ ۳۱۹ ، حاشیہ ۹۲۹

۱۹ـ ایضاً صہ ۴۵ ، حاشیہ ۱۰۴ ۲۰ـ ایضاً صہ ۱۳۱۲ ، حاشیہ ۴۹۵۲

۲۱ـ ایضاً صہ ۱۶۲۵ ، حاشیہ ۵۷۲۸

۲۲ـ مریم جمیلہ ، WHY I EMBRACED ISLAM ، (کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، دہلی) صہ ۵،۳

۲۳ـ عبدالماجد دریابادی ، TAFSIRUL QURAN (ادارۂ تحقیقات ونشریات اسلامی، لکھنؤ، ۱۹۸۱ء) ، جلد اول، صہ ۲۶ و ۲۷ حاشیہ ۱۴۳

۲۴ـ حوالہ مذکور، جلد اوّل، صہ ۴۵ ، حاشیہ ۲۷۵

۲۵ـ ایضاً ، جلد اول، صہ ۳۹ حاشیہ ۲۵۰ و ۲۵۱

۲۶ـ ایضاً جلد اول، صہ ۶۵-۶۷ ، حاشیہ ۴۴۲ و ۴۴۳

۲۷ـ ایضاً جلد اول صہ ۶۸ ، حاشیہ نمبر ۴۴۸ و ۴۴۹

۲۸ـ ایضاً جلد اول صہ ۴۳-۴۲ ، حاشیہ ۲۴۷-۲۴۹

۲۹ـ ایضاً جلد اول صہ ۷۶-۷۷ اور ۱۱۰-۱۰۹ ، حاشیہ ۵۱۷-۵۱۶ اور ۱۹۶